© rasailojaraid.com

تصوّف اور عصریت

از پروفیسر ڈاکٹر ہانس کرز۔ پی، ایچ، ڈی (گوٹن گن جرمنی)
پروفیسر اسلامیات جامعہ عثمانیہ۔ حیدر آباد دکن

(حضرت مخدوم سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے بڑے عالی مرتبت بزرگ ہوئے ہیں۔ حضرت مخدوم خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اور ان کے جانشین صوفیائے چشت میں آپ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور ایک سو بیس کتابوں کے مصنف ہوئے۔ اسی بنا پر آپ کو مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک جگہ "سلطان القلم" کہا ہے۔ عربی اور فارسی کے سوا آپ نے اردو میں بھی لکھا ہے۔ اور اسی کی بنا پر آپ کو اردو کا اولین نثر نگار مانا گیا ہے۔ ۸۲۵ھ میں بمقام گلبرگہ (نئی ریاست میسور) وصال فرمایا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار بنا۔ ہر سال ۱۶ ذیقعدہ کو آپ کا عرس شریف بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا ہے اور ہر مذہب، ملت اور عقیدے کے لاکھوں آدمی اس تقریب میں بڑی عقیدت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ دکن میں آپ کی ذات گرامی کو غیر معمولی مرجعیت حاصل ہے اور اس علاقے کے اکثر سلاسل بیعت آپ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ کو دکن کا کعبہ کہا جاتا ہے۔ ع

نیست کعبہ در دکن جز در گہ بندہ نوازؒ!

بارگاہ حضرت مخدوم خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی اخلاق و عادات کے لحاظ سے اسلاف کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہیں۔ ان کے دور سجادگی میں بہت سی خرابیوں کی اصلاح ہوئی اور بہت سی اچھی باتوں کا اضافہ ہوا۔ عرس شریف کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریب کو زیادہ بامعنی اور مفید بنانے کے لئے آپ ہی کے ایما پر کئی سالوں سے اس موقع پر صوفیائے کرام چشت کی خدمت دین اور حضرت مخدوم خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ کے مسلک اور آپؒ کی تعلیمات پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جا رہی ہے۔ اس مجلس مذاکرہ میں ملک کے مشہور علماء اور مشائخ حصہ لیتے رہے ہیں۔

اس سال حضرت مخدوم خواجہ گیسو درازؒ کا پانچ سو اکسٹھواں یوم وصال ۱۶ ذیقعدہ مطابق [illegible] فروری [illegible] کو منایا گیا۔ اسی تاریخ دن کے گیارہ بجے سے ڈھائی بجے تک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جسکی صدارت بارگاہ حضرت مخدوم محبوب الٰہی دہلی کے سجادہ نشین پیر ضامن نظامی نے فرمائی پچھلے چار پانچ سالوں سے مجھے بھی اس بابرکت تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔ پچھلے سال اس مجلس مذاکرہ کو ایک جرمن مستشرق ڈاکٹر ہانس کروزنے بھی انگریزی میں مخاطب فرمایا تھا اپنا مقالہ پڑھنے سے پہلے انھوں نے بعض جملے اردو میں ادا کئے اور وعدہ کیا تھا کہ انشاءاللہ آئندہ سال وہ اردو ہی میں اپنا مقالہ سنائینگے۔ سفید شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس، ڈاکٹر ہانس کروز نے اس سال حسب وعدہ مجلس مذاکرہ میں اپنا مقالہ خالص علمی اردو میں سنا کر سامعین کو انگشت بدنداں کر دیا۔ اس مقالہ میں صوفیائے کرام کی خدمات کا ایک بالکل ہی نئے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا تھا۔ کئی لحاظ سے یہ مقالہ نہایت فکر انگیز اور خیال آفریں رہا۔

میں نے مجلس مذاکرہ کے اختتام کے بعد یہ مقالہ برہان میں اشاعت کے لئے ڈاکٹر ہانس کروز سے حاصل کر لیا۔ میں قارئین برہان کی طرف سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے نہایت فراخدلی کے ساتھ یہ مقالہ برہان میں اشاعت کے لئے میرے حوالے کر دیا۔

یہاں صاحب مقالہ پروفیسر ڈاکٹر ہانس کروز کے ایک مختصر تعارف کے ساتھ یہ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر ہانس کروز نے ۱۹۲۳ء میں مغربی جرمنی کے شہر پیڈربرن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد دوسری عالمی جنگ میں فوجی خدمات انجام دیں۔ جنگ ختم ہوئی تو قانون اور اسلامیات کے مطالعہ کے لئے جرمنی کی مشہور جامعہ گوٹن گن یونیورسٹی میں شریک ہو گئے اور ۱۹۵۳ء میں بین الاقوامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون اور اسلامی عقائد" کے (؟) ان پر مقالہ لکھ کر اسی جامعہ سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء تک جامعہ گوٹن گن ہی میں اسسٹنٹ پروفیسر رہے۔ ساتھ ہی بین الاقوامی قانون کی شیبانی سوسائٹی کے اعزازی معتمد بھی۔ اسلامی قانون اور اسلامی ممالک میں غیر دینی قانون سازی کے موضوع پر آپ کے کئی مقالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک ڈاکٹر کروز تحقیقاتی کاموں کا اہتمام کرنے والے مغربی جرمنی کے سرکاری ادارے سے وابستہ رہے۔ پھر ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک خارجی پالیسی کے تحقیقاتی ادارے واقع میونخ کے نگراں صدر رہے۔ ۱۹۶۴ء سے وہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں دراسات اسلامیہ اور سیاسیات کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس دوران میں وہ شملہ میں حکومت ہند کے قائم کردہ Indian Institute of Advance Studies میں بھی آٹھ مہینوں تک پروفیسر رہے ہیں۔

ادھر جب سے ہندوستان آزاد ہوا ہے کچھ تو ہماری حکومت نے اور کچھ مغربی جرمنی کی حکومت نے اس ملک میں اس طرح کا پروپیگنڈا شروع کیا ہے کہ جرمن مستشرقوں اور عالموں نے سنسکرت اور ہندوؤں کے علوم ہی کی زبردست خدمت کی ہے۔ مشہور عالم جرمن مستشرق میاکس مُلر کی خدمات کو بار بار دھرایا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ جرمنی مقابلہ ویدوں کا دوسرا وطن ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جرمن عالموں کی خدمات کا یہ صرف ایک ہی رخ ہے۔ عربی اور اسلامیات سے متعلق جرمن عالموں کی خدمات کسی طرح بھی سنسکرت اور ہندوؤں کے علوم کی خدمات سے کم نہیں ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں، صرف مثال کے طور پر ایک جرمن مستشرق بر اکل مان ہی کا نام لے لینا کافی ہے۔ ڈاکٹر ہانس کروز نے تو پچھلے جرمن مستشرقوں سے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے پچھلے عالموں کی طرح وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ جرمنی کے عظیم الشان کتب خانوں میں بند رہ کر اپنا تحقیقاتی کام انجام نہیں دے رہے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ خود مسلمانوں میں رس بس کر اپنے موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو عملی طور پر سمجھ کر مسلمانوں کے درمیان اپنا کام کر رہے ہیں۔ اس کے سوا اسلامی مسائل کے مطالعہ کے لئے انھوں نے سابق جرمن عالموں کے برخلاف مشرق وسطیٰ ہی کے ممالک کو منتخب نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لئے ہندوستان کا انتخاب کیا ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی مشرق وسطےٰ کے کسی بھی ملک سے کہیں زیادہ ہے اور جہاں کے مسلمان اسلامی علوم کی خدمت میں کسی بھی اسلامی ملک سے پیچھے نہیں آگے ہی رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ہانس کروز جس ڈھنگ سے اپنا کام کر رہے ہیں اسے دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ آنے والی علمی دنیا انھیں اسلامیات کے میاکس مُلر کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔

سید مبارز الدین رفعت

(صدر شعبۂ اردو و فارسی۔ مہارانیز کالج۔ میسور)

حضرت بندگی میاں سجادہ صاحب اور حاضرین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ!!

میں چاہتا ہوں کہ آج آپ کی خدمت میں تصوف اور عصریت یعنی Sufism and Modernism کے متعلق اپنے غور کردہ خیالات کا اظہار کروں۔ یہ کہنے کی شاید ہی ضرورت ہے کہ اگر مجھے اسلام اور مسلمانوں سے قلبی تعلق خاطر نہ ہوتا تو آپ اپنے اس مجمع میں نہ پاتے۔

مجھے قوی امید ہے کہ آپ ازراہ کرم میری معروضات پر ہمدردانہ توجہ مبذول فرمائینگے۔

قرونِ وسطیٰ (یعنی ۵۰۰ عیسوی تا ۱۵۰۰ عیسوی) میں وسطی یورپ کے مسیحی اپنے کلیساؤں میں اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ایسے نغمے الاپتے تھے جن کی موسیقی میں دلکشی تو بہت ہی کم لیکن اکتاہٹ پیدا کرنے والی یکسانی زیادہ ہوتی تھی۔ ان نغموں کی ابتدا بیت المقدس کے کلیسا سے ہوئی تھی۔ جہاں انجیل کے ماننے والے ان نغموں کو تقریباً ایک ہزار سال سے برابر دہراتے آ رہے تھے۔ مرور ایام سے بعد کے مسیحیوں کے نزدیک ان نغموں نے سنت سنیہ کی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کر لی۔

کلیسا سے باہر اس دور کے یورپی موسیقی ایسے بہت سے نغموں سے واقف تھے جن کا آہنگ کلیسائی نغموں سے بہت زیادہ دلکش و دل آویز تھا۔ یہ زیادہ تر لافانی محبت کے سرمدی صورت تھے۔ ان کے مضامین زندگی، موت، ہجر و وصل وغیرہ جیسے موضوعوں پر مشتمل ہوتے تھے یہ غیر دینی (نہ کہ لادینی) مقاصد سے منظوم کئے گئے تھے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دو طرح کی موسیقی پروان چڑھنے لگی جو بلحاظ نوعیت ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھی۔ اول الذکر موسیقی صرف دینی اغراض پورا کرتی تھی یہ قابل احترام بھی جاتی تھی۔ کیونکہ طویل تاریخی روایتوں نے ان پر تقدس کا خول چڑھا دیا تھا۔ بایں ہمہ ایسے اکثر نغمے انتہائی بے لطف، بے رس و بے مزہ تھے۔ ان میں دل کشی مفقود تھی۔ دوران عبادت یہ صرف کلیساؤں میں گائے جاتے تھے۔ کلیسا کے باہر ان کو سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ثانی الذکر موسیقی غیر دینی اغراض کے لئے تھی، اس میں تقدس کا آہنگ نہیں تھا بلکہ یہ ایک حد تک دنیاداراانہ زندگی کی آلائشوں سے آلودہ تھی۔ لیکن اس کے باوصف اس میں حسن تھا۔ جاذبیت تھی۔ یہ سننے والوں کا دل موہ لیتی تھی۔ یہ نغمے زیادہ تر میل ملاپ کی مجلسوں اور حسب موقع سنجیدہ یا مزاحیہ محفلوں میں گائے جاتے تھے۔

کلیسا کے بے لطف و بے مزہ گیتوں کو "نغمات خداوندی" کا شاندار لقب دیا گیا تھا اور دنیاوی زندگی کے دل آویز گیت "طاغوتی نغمے" کہلاتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کیا عوام کیا خواص سب ہی مسیحی اپنا دینی فریضہ انجام دیتے اور کلیساؤں میں یہی بے لطف و بے مزہ نغمے برابر گایا کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے قلوب اور ان کے دلی احساسات فطری طور پر حسین و جمیل دنیوی گیتوں ہی سے وابستہ رہتے تھے۔

سولھویں صدی عیسوی میں بعض جرأت مند رہنماؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ فرسودہ روایتیں ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ازکار رفتہ قدیم، بے رس و بے مزہ کلیسائی نغموں کی بجائے دل کش و دل آویز دنیاوی نغموں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ان کی کوشش تھی کہ ذات خداوندی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدح وثنا میں جو نغمہ سرائی ہوتی ہے اس میں حسین وجمیل سروں کا استعمال زیادہ ہوا اور لوگ اس کو بڑی ہی دلچسپی، انہماک اور دلچسپی سے سنیں، ان لوگوں کی یہ کوششیں کامیاب ہوئیں۔ اب ایک بالکل ہی نئی قسم کی کلیسائی موسیقی پیدا ہوئی۔ اس جدید نے نے کلیسا کو فی الواقع ایک مرغوب مقام بنا دیا۔ اور عامۃ الناس جوق در جوق کلیسا کی طرف مائل ہونے لگے مگر پرانے خیال کے مذہبی گروہوں کی طرف سے اس جدید موسیقی کی مخالفت شروع ہونے لگی۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ طاغوتی راگ۔ راگنیوں کو کلیسا کے حدود میں داخل کرنا سخت گستاخی ہے مصلحوں کا کہنا تھا کہ خوش نوا نغمے صرف طاغوت ہی کا حصہ کیوں ہوں؟ ہمیں چاہیئے کہ یہ حسین وجمیل آلہ شیطان کے ہاتھ سے چھین لیں اور اس کو خدا کی خدمت کا وسیلہ بنائیں۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَال۔ یہ اور اس قسم کی دوسری دلیلوں کے ذریعہ یہ لوگ کٹر منقول پسندوں کے خلاف اپنی معرکہ آرائی میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح یہ لوگ مسیحیت میں مذہبی موسیقی کے ایک نئے دور کے بانی ہوئے۔

مسیحیت میں کچھ اسی قسم کی معرکہ آرائی آج بھی جاری ہے۔ حالیہ زمانے کی غیر دینی تفریحی محفلوں میں مغربی موسیقی نے (Jazz & beat music) اپنی ایک مستقل جگہ پیدا کرلی ہے۔ خصوصاً نوجوانوں کو اس قسم کی موسیقی نہایت حسین و دل آویز معلوم ہوتی ہے۔ اب بعض مذہبی راہنما یہ کہنے لگے ہیں کہ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر ہم اس موسیقی کو کلیسا میں بھی کیوں نہ داخل کردیں؟ ایسا کرنے سے منقول پرستوں کو یقیناً صدمہ پہنچے گا۔ وہ اس کو بھی کلیسا کی بے حرمتی سمجھیں گے کہ دوران عبادت بوق ونقارہ کی آوازیں سنیں مگر تجدد پرستوں کا اصرار ہے کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ دیکھئے اس نئے معرکے کا فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔

(۲)

یہ صرف چند مثالیں تھیں۔ ان کا مقصد اُس کشمکش کی وضاحت کرنا تھا جو مذہب میں منقول پرستوں اور تجدد پرستوں کے درمیان ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے۔ منقول پرست یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا کی عبادت صرف انہیں مخصوص طریقوں سے کی جاسکتی ہے جن کو صدیوں کی قدامت کا تقدس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہے خواہ یہ طریقے کتنے ہی فرسودہ و بے جان کیوں نہ ہوں۔ تجدد پرست سمجھتے ہ
انھیں چیزوں کا خالق نہیں ہے جو ہزار ہا سال پہلے کسی خطہ میں وجود میں آئیں بلکہ
کا بھی خالق ہے جو اس وقت ہمارے اس زمانے میں بھی وجود میں آتی ہیں اور جو
کو نہایت بھلی معلوم ہوتی اور انھیں متاثر کرتی ہیں جو آج کی اس دنیا میں رہتے ہیں
تاریخ تصوف میں عموماً اور طریقۂ چشتیہ کی تاریخ میں خصوصاً قریب قریب اسی
ملتی ہیں جیسی کہ مسیحیت کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اکثر فقہا نفس موسیقی
ہیں۔ موسیقی کو مذہبی اعمال کے ایک جزو کی حیثیت سے استعمال کرنے کو تو وہ قطعاً نا
ہیں لیکن اس مخالفت کے باوجود جب ہندوستان میں تصوف نمودار ہوا، مختلف
بانی یہاں کی کیف آور موسیقی سے واقف ہوئے اور انھوں نے لوگوں پر اس کی اثر اند
خود مشاہدہ کیا تو اُن بزرگوں نے اپنے بنیادی عقائد میں کسی تبدیلی کے بغیر بعض شروط و
اسلام کے لئے اس انوکھے ڈھنگ کو خدا رسی کا ذریعہ بنانے میں کچھ پس و پیش نہیں کیا
وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔

کیا آپ کو مسیحی راہ نماؤں میں، جو سولھویں صدی عیسوی میں تجدد نواز کہلائے
طریقۂ عالیہ چشتیہ کے شیوخ میں، جنھوں نے ہمیں قوالی کا دان دیا، کوئی مشابہت
نظر آتی ہے؟ کیا میں اُن نفوسِ قدسیہ کو اُن کے زمانے کا ترقی پسند گروہ کہہ سکتا ہو
نے اپنے زمانے میں پائی جانے والی ایک نہایت مفید و حسین ترین چیز شیطان
سے نکال کر اس کو ذاتِ خداوندی سے قریب ہونے کا ذریعہ بنایا۔ میں تو یہ کہنے کی جرأت
معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۰۰۔۲۳۲ء) اور گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
تصوف اپنے دور کی ایک انتہائی عصری و ترقی پذیر تحریک تھی۔

جس وقت اُن نیک نہادوں اور پاک باطنوں نے شعر و نغمہ کو تصوف کے
کیا ہوگا اس وقت فقیہوں نے "خبردار! یہ بدعت ہے" کا نعرہ ضرور لگایا ہوگا لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بزرگ ان آوازوں پر توجہ کئے بغیر اپنے طریقے پر برابر گامزن رہے کیوں کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ذاتِ بحت سے قرب و معیت حاصل کرنے کے لئے ان کو اپنے زمانے کا ہر وہ قابلِ حصول ذریعہ اختیار کرنا چاہئے جو بالکل عصری ہو، انتہائی حسین و جمیل ہو، زیادہ سے زیادہ جاذبیت و دلکشی کی صلاحیت رکھتا ہو اور جن سے اسلامی اقدار، اصول، فرائض یا واجبات میں کوئی کمی بیشی بھی نہ ہوتی ہو۔

خدا ہم سے دور اور الگ تھلگ نہیں ہے وہ کسی عجائب خانہ میں رکھی ہوئی پرانی و نایاب شئے کے جیسا نہیں ہے، وہ ہمارے ساتھ ہے ان اللّٰہ معنا۔ ہماری دنیا دراصل اسی کی ہے۔ اس کا مالک و مختار وہی ہے۔ انسان کے دل پر نئی نئی ایجادوں کا القاء کرنے والا وہی ہے۔ انسان نے جو کچھ اختراعات و ایجادات کی ہیں اور کرنے والا ہے وہ سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔ ان کو اسی کی راہ میں کام آنا چاہئے۔ طریقِ چشتیہ کے اکابر اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ اپنے زمانے میں طریقِ معرفت طے کرتے ہوئے قوالی سے ان کا استفادہ کرنا ایک انقلابی واقعہ تھا۔ ایسا ہی انقلابی جیسا کہ آج کل یورپ میں بعض لوگ بوق و نقارے کو (Jazz and Beat music) مسیحی عبادت گاہوں میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ طریقہ چشتیہ کے اکابر میں یقیناً اتنی جرأت بھی کہ ان پر بدعت کا الزام عائد کرنیوالے فقیہوں اور منقول پرستوں کے خلاف وہ اپنی مدافعت کرتے تھے۔

(۳)

مذکورۂ صدر حقائق سے ہمیں کن معنی کا ادراک ہوتا ہے؟ براہ کرم مجھے اپنا ایقان ظاہر کرنے کی اجازت دیجئے کہ طریقۂ عالیہ چشتیہ کے سربرآوردہ شیوخ اپنے ہم عصر معاشرہ کا صد درجہ ترقی پذیر عنصر تھے۔ اگر آپ ذہنی حیثیت سے اپنے آپ کو اس دور میں لے جا سکیں تو مجھے امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی سمجھنے لگیں گے جیسا کہ میرا ایقان ہے اس واقعہ سے کیا سلسلہ چشتیہ کے موجودہ نام لیواؤں پر کچھ فرائض و واجبات عائد نہیں ہوتے؟ اگر آپ کے اس سلسلہ کے بزرگ جنھوں نے ہندوستان ہی میں جنم لیا، آج یہاں زندہ ہوتے تو آپ کا کیا خیال ہے وہ کس جانب ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ علم کی روشن راہ چھوڑ کر تاریک راستہ اختیار کرتے؟ کیا وہ ہمارے موجودہ زمانہ کی پیداکی ہوئی ہر اس شئے پر یہ الزام لگاتے ہوئے کہ ان سب کا شمار شیطانی چیزوں میں ہے، اصلاح وترقی کی مخالفت کرتے؟ کیا وہ ہر اس چیز کو صوفیانہ زندگی کے افکار واعمال میں شامل نہیں کرتے جو انسانی عقل وبصیرت کی اختراع کی ہوئی ہیں اور جن میں افادیت، خیر اور خوبی ہے؟ جو دل کش ورعنا وزیبا بھی ہیں؟ ذاتی طور پر مجھے تو اس بات پر یقین ہے کہ وہ ہم سب میں آج بھی ویسے ہی انتہائی عصری ہوتے جیسے کہ وہ اپنے دور میں تھے۔

کیا اس سے عصر حاضر کے صوفیوں پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ اس خصوص میں وہ بھی اپنے سلف صالحین سے مشابہت پیدا کریں اور اُن کے جیسے بنیں؟ تصوف زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے۔ مذہبی رسموں، نسلوں اور قومیتوں کی خود ساختہ تعینات سے ماوراء ہونے کی صلاحیت اسی میں ہے۔ جب تک انسان کا وجود باقی ہے باطنی (یعنی روحانی) تجربات کسی غلط زمانے کی طرف منسوب کیا ہوا واقعہ نہیں ہو سکتے۔ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اگر تصوف جیسا طریق زندگی عصری ہے اور کم از کم ہندوستان میں اس کے علم بردار بزرگ اپنے عہد کے تجدد پسند تھے تو پھر موجودہ دور کے صوفیاء تجدد کی درآمد کے لئے اپنے دروازے کیوں نہیں کھول سکتے؟

میری تمنا ہے کہ جس طرح صوفیائے حال کے آبائے کرام ... ماضی میں منقول پرستوں اور مذہبی خوردہ گیروں کی پرواہ کئے بغیر ملک وملت کی صلاح وفلاح کے لئے معاشرہ کا ایک طاقتور عنصر ثابت ہوئے اسی طرح ان کے اخلاف بھی اپنے معاشرہ میں اصلاح وتجدد کا ایک زور آور وغالب عنصر ثابت ہوں۔

وَلَیْسَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔ والسّلامُ علیکم وعلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

ندوۃ المصنفین کی تازہ مطبوعات

رموز عشق — از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ...... قیمت بلا جلد -/۵

خواجہ بندہ نواز کا تصوف وسلوک " " ...... " -/۲

© rasailojaraid.com